ڈاکٹر عنبرین تبسم شاکر جان

استاد شعبہ اُردو،نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز،اسلام آباد

خلیق الرحمٰن

اسکالر، پی ایچ ڈی اردو،نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

# "تنہائی کے سو سال" اور گیبر ئیل گارشیا مارکیز

**Dr. Ambreen Tabassum Shakir Jan**
Assistant Professor, Department of Urdu, NUML, Islamabad.

**Khaleeq Ur Rehman**
Ph.D Scholar, Department of Urdu, NUML, Islamabad.

## "One Hundred Years of Solitude" Gabriel Garcia Marquez

Gabriel Garcia is one of the well- known men of letters (Latitudinarian). He has to his credit an even fresh novel, One Hundred Year of Solitude. Owing to its distinguished topic and appealing style, he was awarded the Nobel Prize. He, in this article, has appreciated the various aspects of the novel.

**Key words:** *Novel, Solitude, Distinguished, Aspects.*

گیبر ئیل گارشیا مارکیز کا نام آج کی دُنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ ایک ایسا آفاقی فنکار ہے جو اپنی تخلیقات میں پوری سچائی اور شدت کے ساتھ قاری سے ہمکلام ہوتا ہے۔ مارکیز چھ مارچ ۱۹۲۸ میں کولمبیا کے شہر ارکاتا میں پیدا ہوا۔ مارکیز کی والدہ کالونئسیا سانتیگا ایک متمول گھرانے کا چشم وچراغ تھی اور ایک اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ مگر اس نے ماں باپ کی مرضی کے خلاف ایک غریب گھرانے کے ٹیلی گرافسٹ سے شادی کرلی۔ مارکیز کی پیدائش کے بعد اس کی ماں اپنے بیٹے کو اپنے والدین کے گھر لے آئی اور اُنھیں رضامند کرنے کے لیے اپنے نوزائیدہ بیٹے کو پرورش کے لیے اُن کے سپرد کر دیا کہ وہ اچھے ماحول میں اس کے بیٹے کو پروان چڑھا سکیں گے۔ اپنے ننھیال میں جہاں مارکیز کو ایک بہتر ماحول میسر آیا وہی

ایک گہری اور گھمبیر تنہائی ابتدا سے ہی گارشیا مارکیز کی زندگی کا تجربات کا حصہ بنتی چلی گئی۔ یہی تلخ تجربہ تھا بعد میں اس کی تخلیقی واردات کا قیمتی سرمایہ بنا۔

۱۹۲۸ سے لے کر ۱۹۳۶ تک کے ابتدائی برسوں میں مارکیز نے اپنا بچپن اپنے نانہال کے کشادہ اور وسیع و عریض گھر میں بسر کیا۔ ننھال والوں کے پاس کہانیوں کی کمی نہ تھی۔ اس کی نانی اُسے نت نئی کہانیوں سے آشنا کرتی اور اُس کے نانا اپنی زندگی سے جڑی سماج داری اور جنگوں میں لڑی معرکہ آرائیوں کی کہانیوں سنایا کرتے۔ اس کے نانا کرنل نکولس جو لبرل دستے کی جانب سے کنزرویٹو پارٹی جو برسر اقتدار بھی تھی جنگ میں شریک ہوئے جو ۱۸۹۹ سے ۱۹۰۲ کے درمیانی وقفے میں لڑی گئی تھی، اس جنگ کو ہزار روزہ کے نام سے بھی پکارا تھا۔ اس کے نانا گارسیا کو اس جنگ کے واقعات اکثر سنایا کرتے۔ ناول میں گارشیا نے جگہ جگہ جو جنگی ماحول دکھایا ہے اور فوج، جنگ اور گولہ بارود کی دنیا تخلیق کی ہے وہ اس کے کرنل نانا کی یادوں کی بازگشت ہے۔ کرنل الرلیانو بوئندا کا کردار گارشیا مارکیز کی نانا کے کردار سے بہت ملتا جلتا ہے۔ لکھتے ہیں :

> ''ستمبر میں متضاد خبریں آنا شروع ہو گئیں۔ لبرل کی خفیہ اطلاعات تھیں کہ اندرون ملک کورٹ مارشل کے ذریعے کرنل الرلیانو بوئندا کی غیر موجودگی میں موت کا فیصلہ کر لیا۔ ہر اول دستے جب اسے گرفتار کرتے تو سزا پر عمل درآمد کا حکم دے دیا جاتا۔ جنرل کو اسے بارے کوئی خبر نہیں تھی۔ کرنل ارلیانو بوئندا ایک ماہ سے بھی زیادہ عرصہ سے ملک کے اندر تھا۔ اس کے بارے ایسی افواہیں اب روز مرہ کا معمول تھیں۔ کبھی ملک سے باہر کی خبریں۔ کبھی ملک میں موجود ہونے کی افواہیں۔ یہاں تک کہ سرکاری طور پر اعلان ہونے تک جنرل مکاڈا کو یقین نہ آیا کہ کرنل ارلیانو بوئندا نے ساحلی ریاستوں پر قبضہ کر لیا ہے''۔ (۱)

۱۹۳۶ میں جب گیبرئیل گارشیا مارکیز کے نانا کی وفات ہوئی، تو اُسے واپس اپنی ماں کے پاس اپنے گھر آنا پڑا یوں مارکیز کے اس بچپن کا خاتمہ ہوا جس میں ایک گھمبیر تنہائی، کشادگی، وسعت اور ایک طلسماتی قصے کہانیوں سے بھری زندگی اُسے ملی۔ یہ بچپن اس کے نانا، نانی کی زندگی سے جڑا ایک پر اعتماد بچپن بھی تھا۔ وہ خود کہتا ہے کہ ان آٹھ سالوں سے بہتر سال اُس کی زندگی میں پھر نہ آسکے۔

مارکیز کی زندگی میں اس کی ماں کی حیثیت بہت نمایاں ہے اس نے اپنی ماں سے بہت کچھ سیکھا۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کی کہانیوں میں جو کردار پیش ہوئے ان کی اصل ماہیت کے بارے میں صرف اس کی ماں ہی بتا سکتی ہے کہ دراصل ان کرداروں کا حقیقی زندگی میں کن لوگوں سے تعلق تھا۔ ادب کی چاٹ مارکیز کو اپنے والد سے پڑی جو خود بھی ایک اچھا شاعر تھا اور نظمیں لکھا کرتا تھا۔ سیدہ عطیہ مارکیز کے باپ کی زندگی کے بارے میں لکھتی ہیں:

"انہوں نے زندگی میں شراب اور سگریٹ کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ وہ کنزویٹو پارٹی کے حامی تھے۔ مارکیز کے نانا کے برخلاف جو کہ لبر تھے، دراسل مارکیز کو باپ کا ٹھوس تصور نانا کی شکل میں مل چکا تھا، اس کے والد کا تصور نانا سے متضاد تھا۔ مارکیز کے والد میں ایک قسم کی سخت گیری تھی اور اپنی سولہ اولادوں میں (جن میں ایک مارکیز بھی تھا) وہ قربت کا رسمی تعلق زندگی بھر نہ رکھ رکھ پائے۔ مارکیز کے والد نے ایک بار مذاق میں اپنے کسی دوست سے کہا تھا کہ مارکیز خود کو ایک ایسا چوزہ سمجھتا ہے جو مرغے کی مدد کے بغیر پیدا ہو گیا ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مارکیز نے ہر جگہ اپنی ماں کا ذکر تو کیا ہے مگر والد کا ذکر نہیں کیا۔ مارکیز زندگی بھر اپنے والد کو گہرائی کے ساتھ جان ہی نہ سکا، پھر ان کا تذکرہ کیسے کرتا"۔ (۲)

سیاسی اور سماجی سطح پر مارکیز کا کردار کبھی بھی چھپا ہوا نہیں تھا۔ وہ معاصر عالمی صورت حال سے آگاہی رکھنے والا ہوشمند اور ایک باشعور ادیب اور سماجی فرد تھا۔ اس کے ملک کولمبیا کے سیاسی حالات نے اس کی شخصیت سازی اور کردار سازی کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۴۸ میں ایلسے ئر گائیتیان جو کولمبیا میں صدر کے امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوئے تھے اور لبرل بازو کے اہم رہنما تسلیم کیے جاتے تھے، کو اچانک قتل کر دیا گیا۔۔ تشدد کی اس سیاسی صورت حال نے مارکیز کے ذہن پر گہرے اثرات ڈالے۔ اس ہنگامے میں بہت سے لوگوں کی جانیں چلی گئیں۔ اس قتل عام میں جو ۱۹۴۹ سے لے کر ۱۹۶۲ تک کے عرصہ تک چلا قریباً تین لاکھ سے زائد لاگوں کا قتل عام ہوا۔ انسانی تاریخ میں فسادات کے حوالے سے تشدد کی یہ شرح کسی طرح کم نہیں۔ مارکیز کی سوانح کا ذکر کرتے ہوئے خالد جاوید اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"بچپن کا وہ زمانہ جب انہیں نانا، نانی کی گھر رہنا پڑا تھا اس لحاظ سے اہم ہے کہ ان کے ذہن پر اپنے نانا کے انقلاب لبرل ازم کی چھاپ بچپن میں ہی پڑ گئی تھی۔ ان کے نانا ۱۹۲۸ میں سنیگا میں یونائیٹڈ فروٹ کمپنی کے ہڑتالی مزدوروں کے قتل عام کے بارے میں جو کچھ سنایا تھا اس نے مارکیز کے دل و دماغ پر ایک کبھی نہ مٹنے والا نقش چھوڑ دیا تھا۔ مارکیز جب سیاکرا میں اسکول کا طالب علم تھا، تب ہی وہاں کے کچھ مارکسٹ ٹیچروں کے ذریعے وہ بائیں بازو کے تحریک کا حامی ہو گیا تھا اور ہمیشہ وہ یہ کہتا آیا کہ انسانیت کا مستقبل سوشیلزم سے وابستہ ہو سکتا ہے"۔ (۳)

مارکیز کی بیوی کا نام مرسیدس تھا۔ اس نے مرسیدس کو اس وقت شادی کی پیشکش کی جب وہ صرف تیرہ برس کی تھی۔ شادی بہت بعد میں ہوئی۔ دونوں کے والد میں گہری دوستی تھی، مرسیدس سے مارکیز کی شادی کامیابی سے ہمکنار ہوئی

اور دونوں نے زندگی بھر اپنے بچوں کی معاملات بڑی خوش اسلوبی سے مل کر نبھائے۔ مارکیز ہمیشہ اپنے بچوں کو بہت وقت دیتا اور ان کا دوست بن کر رہتا۔ وہ اتنا نامور ہو کر بھی منکسر المزاج طبیعت کا مالک تھا، وہ سادہ، عاجز اور بھلا مانس قسم کا انسان تھا۔

گبرئیل گارشیا مارکیز کو شروع ہی سے کتابیں پڑھنے کا شوق تھا۔ ''بوگاتا'' شہر میں سیکنڈری سکول کے زمانے میں اسے کتابوں سے گہری رغبت ہو گئی، بچپن میں تنہائی اور کسمپرسی کے زمانے میں اس نے کتابوں میں پناہ ڈھونڈی۔ اُسی دور میں اس کی ملاقات کولمبین چند ایسے شاعروں سے ہوئی جو کی وجہ سے وہ روبن ڈاریو، حوان رومون خمیز جیسے ادیبوں سے متعارف ہوا۔ ان ادیبوں شاعروں نے ''پتھر اور آسمان'' کے عنوان سے ایک گروپ بنا رکھا تھا اور یہ نام انہوں نے پابلو نیرودا کی شہرہ آفاق شخصیت اور اس کے فن سے متاثر ہو کر بنایا ہوا تھا۔ یہ لوگ ادب اور انقلاب سے معمور تھے اور ادب میں باغی رویوں کے پرچارک تھے۔ اس گروپ کے حوالے سے گارشیا کا کہنا تھا کہ اگر یہ گروپ ابتداء ہی سے اس کی ادبی تربیت نہ کرتا تو بہت ممکن تھا کہ مَیں ادیب ہی نہ ہوتا۔ پابلو نیرودا، مارکیز کا بھی پسندیدہ شاعر تھا۔ اپنے ایک دوست کو انٹرویو دیتے ہوئے ایک طویل مکالمے میں جو ۱۹۸۳ میں شائع ہوا اور The Fragrance of Guava کے عنوان سے شائع ہوا اور امر دود کی خوشبو کے نام سے اُردو میں ترجمہ بھی ہوا، اس میں وہ کہتا ہے کہ:

> ''سو میں نے خراب شاعری سے ابتدا کی، اس سے پیشتر کہ اچھی شاعری کو دریافت کر سکوں، راں بو، والیری اور بلاشبہ نیرودا، میں نیرودا کو بیسویں سدی کا، کسی بھی زبان میں سب سے بڑا شاعر سمجھتا ہوں۔ حتی کہ جب وہ مشکل مقام پر پھنس جاتا ہے.... مثلاً اس کی سیاسی شاعری، اس کی جنگی شاعری.... تب بھی شاعری بذات خود ہمیشہ اول درجے کی رہتی تھی۔ مَیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں، نیرودا ایک قسم کا شاہ میدا س تھا، وہ جس چیز کو چھو لیتا تھا شاعری بن جاتی تھی''۔ (۴)

مارکیز کی اولین کہانی ''تیسری مایوسی'' جب کہ اس کا پہلا ناول ''پتوں کا طوفان'' کے نام سے ۱۹۵۵ میں شائع ہوا۔ ''گناہ کی گھڑی'' نامی افسانہ لکھنے کے پانچ سال تک اس نے مذید کچھ نہ لکھا۔ اور پھر ہسپانوی زبان میں سترہ اٹھارہ مہینوں میں (One Hundred year of Solitude) تنہائی کے سو سال، ناول بازار میں آیا۔ اپنے موضوع اور منفرد اسلوب اور اظہار کی بدولت اس ناول کو نوبل انعام سے نوازا گیا اور اس ناول کے اُردو سمیت کم و پیش تیس زبانوں میں تراجم ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس ناول کو عالمی شہرت مل گئی۔

ناول "تنہائی کے سو سال" ایک ایسی بستی کی کہانی ہے جو وسیع انسانی سماجوں کی جدید دُنیا سے بچھڑ چکی ہے۔ یہ بیس مکانوں اور تین سو لوگوں کے مختصر گروہ کا ایک چھوٹا سا سماج ہے جن کی اپنی دُنیا، اپنی طرز معاشرت، اپنی روایات اور اپنے

اعتقادات ہیں۔ اس ناول کی کہانی نت نئی ایجادات کی چھوٹی چھوٹی حیرتوں اور حیرانیوں سے شروع ہوتی ہے جو خانہ بدوشوں اور پکھی واس جیسے آوارہ لوگ پرانی بستیوں میں لیے لیے پھرتے ہیں۔

مقناطیس، محدب عدسے اور عجیب و غریب جانور، دیکھ کر پرانے زمانے میں جینے والا یہ سماج ہکا بکا رہ جاتا ہے۔ اس کے لیے جدید دُنیا کی معمولی ایجاد بھی ایک بہت بڑے طلسم اور جادو کا پیش خیمہ ہے۔ وہ ان ایجادات کو مافوق الفطرت اشیاء تصور کرتا ہے۔ ناول کا مرکزی کردار "کرنل ارلیانو بوئیندا" کی اپنی زندگی کی واقعات کو یاد کرنے کی صلاحیت حیرت ناک حد تک عجیب ہے۔ ناول کی کہانی کسی ایک کردار کی نہیں بلکہ نسلوں کی کہانی ہے، ایک تنہا، اکیلے، اور زمانے سے بچھڑے ہوئے سماج کی کہانی جو تقریباً ایک سو سال تک ایک اکلاپے کا شکار رہتا ہے اور اس کے باسیوں میں یہ کرب سرایت کرتا ہوا گویا ناسور کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ "تنہائی کے سو سال" میں ایک ایسی ہی کہانی سے پڑھنے والا دوچار ہوتا ہے جس میں تین چار نسلوں پر پھیلی ہوئی تنہائی محض "بوئند اخاندان" کا المیاتی بیان نہیں ہے بلکہ مقامی ثقافتوں کا منظر نامہ بناتی اور تہذیبوں کے عروج وزوال کا بیانیہ دھراتی ایسی کہانی ہے جس میں قدیم وجدید دُنیا کی ایک نایاب تصویر کو خوبصورت اسلوب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ کہانی کے واقعات کو بڑھانے میں مارکیز کا جتنا ہاتھ ہے اُتنا ہی اس کے ملک کولمبیا میں رونما ہونے والے عالمی نو آبادیاتی سماج کی سیاسی اور سماجی صورت حال کا بھی دخل ہے جس نے لاطینی امریکہ میں پوسٹ کالونیل حالات کو تاریخ کے دھارے میں شامل کر دیا۔

کولمبیا کی ایک قدیم بستی "ماکوندہ" بڑی سرعت سے ان تمام مصائب کو دیکھ اور جھیل لیتی ہے جن سے اس طرح کی پوسٹ کالونیل بستیاں دوچار ہوتی ہیں اور پھر جہاں سے واپسی کو کوئی راستہ بھی نہیں ہوتا۔ جنگ، خانہ جنگی، ڈرگ مافیا اور کلچرل تشدد کا ایسا بخار چڑھتا ہے کہ Banana Fever بن جاتی ہیں اور جنہیں کولمبیا میں "یونائیند فروٹ کمپنی" جیسے عوامل پیدا کرتے ہیں اور عوام الناس ان بیماریوں کا شکار ہو کر بے کار، لاغر اور یحوست زدہ سماج کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ناول کے دیباچے میں اشولال گارشیامارکیز کی جانب سے کہانی کے بے حد وحساب مواد کو بکھیر کر سمیٹنے کی مہارت کو یوں بیان کرتے ہیں:

> "بہر حال اساطیر اور قصے کہانی کے وقت کی جھال گارشیا کے ہاں صحافتی سفاکی سے ہو کر گزرتی ہے۔ صحیفوں کی وجدانی زبان اور شاعری کی ایک مخصوص خوشبو گارشیا کو اپنا مواد پھیلانے میں مدد دیتی ہیں۔ وہ واقعات، خبر اور معلومات کو اپنے بیان میں جس مہارت سے ناول کا حصہ بناتا ہے.... اسے محض "صحافتی" "ٹرکس" کا نام دینا ٹھیک نہیں، جیسا کہ کچھ شوقیہ نقاد سمجھتے ہیں)، اس کہانی کو انتہائی سادہ سکیم میں بہت سہولت کے ساتھ لکھ لینے کے پیچھے وہ بے بہا مہارت

موجود ہے جو اپنے مواد کو قاری کے یقین سے گزار لیتی ہے۔ خوف اور دہشت کے فضا میں بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کی تنہائی، اس یقین کی حاجت مند ہے جو اسے بتا سکے کہ ریل کے ان دو سو چھکڑوں میں کیلے نہیں تین ہزار لاشیں لدی ہوئی ہیں.... واقعات کے تسلسل میں وہ بار بار اتنے دن، اتنے مہینے، اتنے گھنٹے، "چھتیس جنگیں" کرنل ارلیانو کے سترہ بیٹے "سات ہزار دو سو آٹھ سونے کے ڈلے" وغیرہ"۔ (۵)

نئے تشکیل پاتے نئے جدید سماج بھی ایک ایسی ہی تنہائی کا شکار ہوتے ہیں جو اپنے اندر ایک نئی طرز کی معاشرت کو جنم دیتی ہے۔ اس کے پیچھے نسل در نسل چھپی ایک ایسی "جھجک" ہوتی ہے جو آسانی سے ثقافتوں کو ایک دوجے میں ضم نہیں ہونے دیتی۔ نئے شکاری اپنے ساتھ پرانے جال لیے چلے آتے ہیں۔ تہذیبوں کے ساتھ یہ وبائیں وہاں سے شروع ہوتی ہیں جہاں سے چیزیں بظاہر سیدھی سادھی اور سادہ دکھائی دیتی ہوئی پیچیدگیوں سے گزرنے لگتی ہیں۔ اور دھیرے دھیرے چیزوں کی وافر بہتات، اور فراوانی معلومات کی وباء کی صورت انسانوں کی یادداشتوں پر اثر انداز ہونے لگتی ہے۔ یہ تنہائی کو وہ انتہائی صورت ہے جب انسانوں کی اندر کا اکیلا پن ان سے یادداشت تک چھین لیتا ہے۔ جس میں اپنے آپ کو یاد رکھنے سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ اور اس کے بعد موت کی تنہائی کی وہ صورت ہے جسے مرنے سے قبل صرف سوچا یا فرض کیا جا سکتا ہے۔

اس ناول میں "طاعون" کی وباء کا ذکر "ماکوندہ" کی ترقی کے ضمن میں بہت اہم اور زوردار ہے۔ کولمبیا جیسے ملک کی تشدد زدہ کلچر کی اگر بہت سی وجوہات بھی ہوں مگر یہ بات بھی موجود ہے کہ آئے دن کے واقعات، اور خون خرابہ جنہیں مارکیز کولمبیا کی گلی، محلوں، کوچوں، اور اخباروں کتابوں سے چنتا ہے، غیر معمولی طور پر اس کے قصے کے حقایق میں جیتی جاگتی زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں اور زندہ معاشرہ، تباہ اور برباد ہوتے شہر میں تبدیل ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ "تنہائی کے سو سال" میں مکالمہ بہت کم ہے بلکہ واقعات کا ایک ایسا تسلسل اور بہاو ملتا ہے جو چار سو پھیلتی "تنہائی" کی شدت کو اُبھار سکے۔

کسی بستی میں یہ تنہائی پہلے پہل "ملکیادیس" جیسے کرداروں کی شکل میں وارد ہوتی ہیں، سنسکرت کے زمانے کا یہ عجیب و غریب کردار خبطی سا کردار آج بھی کسی نہ کسی بستی میں مل جاتا ہے۔ سونا بنانے جیسے لایعنی عمل میں لوگوں کو مبتلا کر کے اپنی دھاک بٹھانے والا یہ انسان بچوں جیسے سوچ رکھنے والے انسانوں کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے جو ذھنی بلوغت کبھی پہنچ ہی نہیں پاتے۔ اپنے علم کی تنہائی کا شکار "ملکیادیس" عمل کا ریکارڈ رکھتا ہے جسے کہیں کوئی نسل پڑھ بھی لیتی ہے۔ تنہائی کی یہ وہ قسمیں ہیں جن کا شکار قومیں اور نسلیں کسی نہ کسی شکل میں شکار رہتی ہیں۔ مثلاً علم کی تنہائی، بھوک کی تنہائی، اور حرص و ہوس اور اقتدار کی تنہائی وغیرہ۔ اپنے اس ناول "تنہائی کے سو سال" میں مارکیز "زوال" کو جدید دور کی لاحاصلیت کے ساتھ

جوڑنے میں یقینی طور پر کامیاب ہوا ہے۔ جو مقامی کہانی اور قصہ گوئی کے بطون سے ابہام اور شگون کی صورت پھوٹتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

ناول ''تنہائی کے سو سال'' کا سارا ماحول پرانے بوسیدہ، لاتعلق، زوال آمادہ تنہائی سے بھرا پڑا ہے۔ ہنگامے، تشدد، لوٹ مار اور جنگ کے واقعات کی تنہائی سے ناول کا سارا منظر نامہ بھرا پڑا ہے۔ اس خالی پن، اور بیگانگی، لایعنی پن اور تنہائی کے خالی پن کو بھرنے کے لئے ناول کے کرداروں کے پاس جنسی عمل کے علاوہ دوسرا اور کوئی رستہ نہیں.....ناول کا ایک اہم حصہ جنگ کے منظر نامے کو بھی بیان کرتا ہے۔ جنگ گارسیا مارکیز کا ذاتی تجربہ نہیں رہا بلکہ یہ اس کے نانا کی سنائی ہوئی یادداشتوں کی خواب ناک فضا سے مصنف کی کہانی کا حصہ بنتی ہے۔ جنگ جو ازل سے انسان نسلوں کے ساتھ آگے بڑھتی ہوئی اس کے دکھ اور تنہائی کو سبب بنتی رہی ہے۔ جنگ کو کوئی بھی سبب ہو اُسے کسی آدارش کا نام نہیں دیا جاسکتا، یہ صرف تباہی اور بربادی کی داستان ہی کہلائے گی۔ جنگ کے حق میں کوئی دلیل نہیں دی جاسکتی۔ ناول کے دیباچے میں اشولال اپنے آخری پیرا گراف میں ناول کی کہانی کا خلاصہ کچھ یوں کرتے ہیں:

> ''اس ناول کی صفت کہیں بھی اکیلی نہیں ہے کسی نہ کسی اضافی کیفیت کا بوجھ اقس کے کندھوں پر ضرور ہے۔ مثلاً صحت مند بھونچال، مسکراتی سازشیں، عظمتوں کی کھائی، بے مقصد مبارکبادیں، غصہ ور نامردی، جیسی ترکیبوں کا بے دریغ استعمال جابجا اس ناول میں نظر آتا ہے..... نسل در نسل واشتی یقین کے عذاب طویل اور موت کے مترادف تنہائیوں کا دروازہ کھولتے ہیں.....وجدانی جملوں اور شاعری کی خوشبو سے ہوتی ہوئی تنہائی کے اس اخیتی دور کا گواہ آخری ''ارلیانو'' کے ساتھ ''گارشیا'' خود بھی، (اخیری باب) جو جھینگر کی طرح مرنے والی ''ارسلا'' کے پس منظر میں اپنے ساتھ، اپنی ''نانی'' اور ''نانا'' کے ساتھ.....ایک بڑی دنیا پ چھوٹے ے ''کولمبیا'' کے ساتھ اور ایک بڑے ''کولمبیا'' پر چھوٹی سی بیس کچے گھروں کی بستی ''ماکوندو'' کے ساتھ۔ ''گارشیا'' کو پڑھ کر ہمیشہ ایسے لگتا ہے..... جیسے یہ سب کچھ تو قاری نے خود لکھنا تھا۔ ناول کی دنیا میں اسے بڑھ کر حیرانی اور کیا ہو سکتی ہے''۔ (۶)

''تنہائی کے سو سال'' کے کردار کسی تاریخ کے بہت سے گزرتے ادوار کی نمائندہ ہیں۔ وہ کسی تاریخی دور میں نہیں رہتے، بس تاریخ انہیں کسی دُور افتادہ مقام پر بھٹکتے ہوئے خود ہی تلاش کر لیتی ہے۔ ان کرداروں کا مطالعہ مغالطوں اور جہالتوں کا پروردہ ہے۔ مارکیز نے اپنے ناول کی بنیاد ایسی ہی جہالتوں اور توہمات پر رکھی ہے جیسے کہ عمومی طور پر اس کے کردار

دکھائی دیتے ہیں، دیومالائی دُنیا کو ماننے والے۔ مارکیز عجیب و غریب ماحول اور فضا کا اظہار صبر، تشکیک اور مزاح کی انداز میں کرتا ہے۔ صاف دکھائی دینے لگا ہے کہ لاطینی امریکا کے ادیب ایک مشترکہ اُمید، مشترکہ توہمات اور آسیب رکھتے ہیں۔

"ماکوندو" نام کی یہ بستی سو سال کے عرصے میں پہلے ایک پرانی بستی سے بڑھ کر قصبے اور پھر ایک بڑے قصبے سے شہر تک کی منازل طے کرتی ہے۔ اور آخر کار "ریل کی آمد" تک کے مراحل سے گزرتی ہوئی بے شمار حیرت ناکیوں سے گزرتی ہوئی گھمیر تنہائی کا شکار ہوتی اور مر جاتی ہے۔ تین چار نسلوں کی اس وارثت جس کی ابتدا "سور کی دُم" شروع ہوتی ہے اور جسے ایک بڑا دیمک نما کیڑا گھسیٹ کر اپنے بل کی طرف کھینچ رہا ہے۔ "بونینداخاندان" کی ایک آخری نشانی ارلیانو پر "ملکیا دیس" کے ہاتھوں باآخر یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ کسی بھی تنہائی کا کرب اور اس کا عذاب کسی ایک فرد کا نہیں، نہ ہی ایک خاندان، یا کسی ایک نسل کا بھی نہیں بلکہ وقت کے دھارے میں بہتی ہوئی پوری انسانی تہذیب کا ہے، ایک ایسی تہذیب اور نسل کا جسے اس دھرتی پر آباد ہونے کے لیے دوسرا موقع نہیں ملتا۔

طلسماتی حقیقت نگار عام طور پر اپنی کہانیوں میں متاثر کن صورت حال اور کیفیت پیدا کرنے کے لیے ہر طرح کے روایتی دیومالائی قصوں اور کہانیوں کو عہد نامہ قدیم و جدید اور بہت سی جگہوں سے مواد حاصل کرتا ہے۔ جادوئی طرز نگارش کے بنیادی عناصر میں Matter of Fact narration کے طور پر بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ تخلیق کار کہانی اس نہج سے موڑ دیتا ہے کہ واقعات کے بیان میں پڑھنے والا ماضی کے ساتھ ایک رابطہ رکھنے پر مجبور دکھائی دیتا ہے۔ مارکیز جادوئی اسلوب اور حقیقت نگاری سے متعدد ایسے عددی حقائق لاتا ہے اور ان کا سہارا لیتا ہے کہ ان مستند حوالوں کی وجہ سے وہ فنٹسی سے دُور اور ایک جیتی جاگتی حقیقت سے نزدیک ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کے پڑھنے والا ان سب چیزوں اور باتوں پر غور کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک اقتباس دیکھیے:

> "بارش چار سال، گیارہ مہینے اور دو دن جاری رہی۔ اس دوران وقفہ ہوتا تو پھوہار برستی رہتی۔ ہر ایک اپنا مکمل لباس پہنتا اور بادل ہٹنے کی چس کو بھی خوشی کی نظر سے دیکھتا۔ اس وقفے کے بعد پھر زیادہ بارش شروع ہو جاتی۔ لوگ اب اس بات کے عادی ہو چکے تھے۔ آسمان سے آنے والے تباہ کن طوفانوں کے اپنے انداز تھے۔ اتر سے طوفان بادو باراں آتا۔ چھتیں اڑ جاتیں۔ گھروں کی دیواریں بیٹھ جاتیں۔ کیلوں کے کھیت سے پودے جڑ سے اکھڑ جاتے۔ بے خوابی کی طاعون میں بھی ایسا ہوا تھا۔ ارسلان ان دنوں کو یاد کرتی رہتی۔ خاموشی بوریت کا دارو ہے۔ ارلیانو سگندو جیسے لوگ نکمے پن اور سستی سے بچنے کے لیے سخت کام کرتے ہیں"۔ (۷)

مارکیز اپنے ناول میں جابجا جادوئی اسلوب کی حامل علامتوں کا استعمال کرتا ہے اور اپنی اس منفرد طرز نگارش سے وہ کھل کر معاشرے کی کج رویوں اور ضعف العقیدہ نظریات پر کھل کر چوٹیں کرتا ہے۔ جادوئیت سے حقیقی طرز استدلال ان عناصر کے بیان کی بدولت وہ قصے میں ایک خاص طرز کی جاذبیت اور تاثر پیدا کر دیتا ہے۔

"اور نٹیل ابہام" اور "مردہ خاموشی" جیسی اصطلاحوں اور پروپیگنڈے کے تواتر سے مغرب جس حقیقت نگاری کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے ....اصل میں وہ بہت سی حقیقتوں سے گریز ہے ....جو اس محاورے میں جگہ نہیں پاتی جو مشرقی معاشروں میں روز کا یقین ہے... محیر العقول واقعات، چھ ٹانگوں والی گائیں، سور کی دم والے بچے، ان سب سے وابستہ شگون اور نشانیوں کی معنویت انڈینCultural Unciouncious کا صدیوں سے حصہ ہے ....اپنی دعاوں، وباوں، معجزوں سمیت چیچک کا "ماتا" کے طور پر احترام واقعی حیران کن ہے۔ گارشیا کیا پنے لفظوں میں "ادیب چکھ بھی لکھ سکتا ہے اگر وہ اپنے قاری کو اس کا یقین بھی دلا سکے"۔ مقامی ثقافتیں واقعات کی جس تنہائی کا شکار ہوئی ہیں، لاطینی امریکی ادیبوں نے اس تک رسائی پالی ہے۔ "ڈان کہوٹے" کے بعد "تنہائی کے سو سال" اس کی سب سے اُتم مثال ہے"۔ [۸]

مارکیز روزمرہ زندگی کے معجزے کو منسلک کر کے تاریخ کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ سبق آموز قصے کہانیوں اور نفسیات کی حقیقت پسندی کو بنیاد بنا کر پیش کرنے میں ید طولی رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول "تنہائی کے سو سال" ایک نقلابی طرز کا ناول بن کر سامنے آیا ہے۔ اس ناول کے ذریعے مارکیز کے ان تصوارت و عقائد سے واقفیت ملتی ہے جو لاطینی امریکہ کے خطہ کے باسیوں کی ادبی آواز ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ تنہائی کے سو سال،گیبرئیل گارشیا مارکیز، مترجم ڈاکٹر نعیم کلاسرا،فکشن ہاوس، مزنگ روڈ، لاہور، ۲۰۰۰ء،ص۱۵۳

۲۔ عطیہ،سیدہ، گرئبیل گارسیامارکیز،خالد جاوید، بک ٹائم،اُردوبازار، کراچی،۲۰۱۵،س۳۴

۳۔ عطیہ،سیدہ، گرئبیل گارسیامارکیز،خالد جاوید، بک ٹائم،اُردوبازار، کراچی،۲۰۱۵،ص۳۱

۴۔ عطیہ،سیدہ، گرئبیل گارسیامارکیز،خالد جاوید، بک ٹائم،اُردوبازار، کراچی،۲۰۱۵،س

۵۔ دیباچہ، اشولال، تنہائی کے سو سال، فکشن ہاوس، لاہور ل ۲۰۰۰، ص ۱۱

۶۔ دیباچہ، اشولال، تنہائی کے سو سال، فکشن ہاوس، لاہور ل ۲۰۰۰، ص ۱۲

۷۔ گبرے ئل گارشیامارکیز، مترجم ڈاکٹر نعیم کلاسرا، تنہائی کے سو سال، فکشن ہاوس، لاہور ل ۲۰۰۰، ص ۲۹۹

۸۔ دیباچہ، اشولال، تنہائی کے سو سال، فکشن ہاوس، لاہور ل ۲۰۰۰، ص ۱۰